مرتد اور شاتم رسول

شریعت کی نظر میں

ڈاکٹر سید معین الدین قادری

ایک عرصہ پہلے قتل مرتد کا مسئلہ موضوع بحث بنا تھا اور اس کے مختلف پہلوؤں پر علماء نے روشنی ڈالی تھی اور ان کے مضامین و مقالے مختلف رسائل و جرائد میں چھپتے رہے تھے۔ فتنہ رشدی کی وجہ سے اس وقت شاتم النبی کا مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے۔

شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ شاتم النبی سیاسی مجرم بھی ہوتا ہے لیکن شریعت کی نظر میں وہ بھی بالآخر مرتد ہی قرار دے دیا جاتا ہے اور بقول امام تیمیہ رحمہ اللہ علیہ کے اس پر بھی حد جاری کی جاتی ہے: "ظاهرہ يدل على انه يقتل من غير استتابہ وان القتل حد له" امام صاحب کے اس قول سے یہ خیال عام ہو چکا ہے کہ مرتد کو تو قتل سے پہلے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ جس میں وہ توبہ کر کے تجدید اسلام کر سکتا ہے لیکن شاتم کے لیے یہ مہلت نہیں ہے۔ بعض علماء نے حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شاتم کے لیے بھی یہ مہلت ہے اور یہ قاضی کے اختیار تمیزی پر موقوف ہے کہ کتنی مہلت دی جائے۔ بہر حال یہ مہلت والا مسئلہ علماء کے مابین مختلف فیہ ہے۔

ایک اور خیال، جس کا آج کل جرائد و رسائل میں بڑی بے باکی سے اظہار ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص کے متعلق شاتم ہونے کا فتویٰ دیا جائے وہ مرتد اور مباح الدم ہے لہٰذا جس کو بھی اس پر قابو حاصل ہو جائے اسے قتل کر دینا چاہیے۔ اس مکتب خیال کے لوگ اس امر کے بھی قائل نہیں ہیں کہ کسی شخص کے شاتم نبی ہونے کا فتویٰ تابع قضاء قاضی ہے۔ ان میں دانشور ہوتے تو زیادہ اہم بات نہ تھی اس میں بعض علماء بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ ارتداد کا مسئلہ ہے اور اس میں حد قائم کرنا امام کا یا اس کے نائب کا فریضہ ہے، پھر بھی ان حضرات کا اصرار ہے کہ

شاتم ہونے کا فتویٰ صادر ہوتے ہی وہ شخص مباح الدم ہو جاتا ہے اور ہر ایک کو اس امر کا حق ہے کہ وہ اس کی گردن مار دے۔ اس میں جو سیاسی پیچیدگیاں ہیں ان سے ہٹ کر بھی یہ خیال براہ راست شریعت سے متصادم ہے اس لیے اس غلط فہمی کا دور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس مقالہ کو پیش کرنے کا محرک بعض علماء کا یہی خیال ہے کہ "شاتم سے متعلق فتویٰ تابع قضاء نہیں ہے" بلکہ اس کے مباح الدم ہونے کی بنا پر کوئی بھی شخص اسے قتل کر سکتا ہے۔

قتلِ مرتد

قتلِ مرتد سے متعلق امام بخاری نے جو باب باندھا ہے وہ قرآن کی اس آیت سے شروع ہوتا ہے:۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(المائدہ: ۳۳۔۳۴)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے ہی اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پالو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسری آیت جو قتلِ مرتد اور شاتم نبی کے قتل کا جواز پیدا کرتی ہے وہ سورہ توبہ کی یہ آیت ہے:۔

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي

(اگرچہ کہ وہ لوگ بڑے بدعہد اور فسادی ہیں) پھر بھی اگر وہ توبہ کریں اور

الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا
اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ
وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا
اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ
لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ
يَنْتَهُوْنَ ○ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا
نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا
بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ
بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ
اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ
اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ
اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ
وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ
وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ
مُّؤْمِنِيْنَ ○

(التوبہ: ۱۴-۱۱)

نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو پھر
ان کو دین میں اپنا بھائی بنا کر رکھنا۔ ہم تو
سمجھ دار لوگوں کے لیے اپنے احکام کھول کر
بیان کر دیتے ہیں اور اگر وہ قول دے کر دغا
کریں اور اپنے عہد کو توڑ دیں اور دین میں طعنہ
دے کر عیب جوئی کرنے لگیں تو پھر کافروں
کے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔
اب ان کے لیے کوئی عہد و پابندی نہیں
رہی شاید کہ وہ اس سخت برتاؤ سے اپنی
حرکتوں سے باز آجائیں۔ بھلا تم کیا ایسے
لوگوں سے جنگ و جدال نہ کرو گے کہ جنھوں
نے معاہدہ کر کے بدعہدی کی اور اپنے
قول سے پھر گئے اور وہ اللہ کے رسول
کو نکالنے کا تہیہ کر چکے تھے اور پھر تمہارے
ساتھ چھیڑ چھاڑ میں انھوں نے پہل کی تھی۔
کیا ایسے لوگوں سے لڑنے میں تمہیں ڈر لگتا
ہے اور حق تو یہ ہے کہ تمہیں صرف اللہ سے
ڈرنا چاہیے اگر تم زمرۂ مومنین میں ہو اور ان
سے جنگ و جدال کر کے ان کی گردنیں اڑا
دو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب
دے گا اور ان کو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔
اور ان کے مقابلہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا۔
اور اس طرح اللہ پر ایمان و یقین رکھنے والی قوم
کے کلیجے ٹھنڈے ہوں گے۔

سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱ میں وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ میں بدعہدی کو مفسرین نے ارتداد

سے تعبیر کیا ہے۔ سیاق عبارت سے بھی، سیاسی بدعہدی سے زیادہ دینی بدعہدی کا مفہوم نکلتا ہے اور قاتلوا ائمۃ الکفر کا مفہوم یہ ہوگا کہ ارتداد کی تحریک کے قائدین سے جنگ کرکے ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔

قتل مرتد کے احکام میں انہی آیات سے استدلال کیا جاتا ہے اور ان ہی کو ماخذ اصلی سمجھا جاتا ہے۔ احادیث میں ان احکام کی وضاحت ملتی ہے۔ گویا حدیثیں قرآن کی تشریح و تفسیر کرتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یحل دم امرء مسلم یشھد ان لا الٰہ الا اللہ و انی رسول اللہ الا باحدیٰ ثلاث: النفس بالنفس، والثیب الزانی والمفارق لدینہ التارک الجماعۃ	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مسلمان ہو اور اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون سوائے تین جرائم کے کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہو سکتا: یہ کہ اس نے کسی کی جان لی ہو (اور قصاص کا مستحق ہو گیا ہو)، یا یہ کہ وہ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہوا ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے دین (اسلام) کو ترک کر دے اور جماعت المسلمین سے علیحدہ ہو جائے
(بخاری، مسلم، ابوداؤد)	

بیہقی اور دارقطنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایات مروی ہیں کہ ایک عورت نے احد میں مسلمانوں کی شکست کے بعد، ارتداد کا اعلان کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے سامنے اسلام کو پیش کرو اگر وہ انکار کر دے تو قتل کر دو۔ یہی سلوک ام رومان کے مرتد ہونے پر روا رکھا گیا۔ جب اس کو تائب ہو کر اسلام قبول کر لینے کی تلقین کی گئی تو اس نے انکار کیا اور وہ قتل کر دی گئی۔ (بیہقی و دارقطنی)

یہ اور بہت سی متعلقہ احادیث گویا قرآن کا بیان ہیں۔ اس اعتبار سے قتل مرتد کا حکم ایک منصوص حکم ہے۔ "قتلِ مرتد کے معاملے میں مسلمانوں کے درمیان کبھی دو رائیں نہیں پائی گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابۂ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین اور علما متقدمین و متاخرین سبھی کے نزدیک یہ متفق علیہ مسئلہ رہا۔ گویا اس مسئلہ پر تمام علماء کا اجماع ہے، آزادیٔ ضمیر

کے نام پر اس کا انکار یا اس میں ترمیم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ زمانہ کے بدلنے سے منصوص احکام بدل نہیں جاتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ خطمہ کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور ہجو لکھی، تو آپ نے فرمایا "من لی بہا" یعنی اس سے کون مجھے نجات دلائے گا۔ اس پر قبیلہ خطمہ ہی کے ایک فرد اٹھے" عرض کیا کہ میں حاضر ہوں"۔ آپ سے اجازت پاکر وہ اس بدزبان عورت کے پاس گئے اور اسے قتل کر ڈالا۔

اس حدیث سے جہاں یہ بات قطعی الثبوت ہوجاتی ہے کہ شاتم النبی واجب القتل ہے وہیں یہ امر بھی ظاہر ہے کہ اسے حاکم کے مباح الدم قرار دینے کے بعد ہی قتل کیا جاسکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر شاتم کا قتل تابع حکمِ حاکم ہے۔ ہر شخص اس امر کا مجاز نہیں ہے کہ وہ از خود شاتم کو قتل کرے۔

اس سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت منسوب ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَبَّ نبیاً قُتِلَ ومن سَبَّ اصحابہ جلد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی نبی کو سب و شتم کرے اسے قتل کیا جائے گا اور جو اس کے ساتھیوں کو سب و شتم کرے اسے کوڑے لگائے جائیں گے)

ایک روایت میں قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص انس بن زنیم کے ہجو لکھنے کا ذکر ہے جس میں اس نے سرکار کو لعن طعن کیا تھا۔ اسی قبیلہ کے ایک نوجوان نے اس پر حملہ کرکے اسے زخمی کردیا۔ اس پر بڑا شر پیدا ہوا۔ اس قبیلہ کے لوگوں نے شکایت کرکے آپ سے مدد چاہی۔ جب آپ کے علم میں لایا گیا کہ انس نے ہجو لکھی تھی جو اس نوجوان کے لیے وجہ اشتعال ہوئی تو آپ نے شاعر کو مباح الدم قرار دے دیا۔ جب انس کو حضورؐ کے اس اعلان کا علم ہوا تو وہ معذرت پیش کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک قصیدہ بھی آپ کی مدح میں لکھ لایا۔ نوفل بن معاویہ نے آپ کی خدمت میں اس کی سفارش کی تو رحمت عالمؐ نے اس کا قصور معاف کردیا۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاتم کا جرم ثابت ہونے کے بعد حاکم اس کو مباحُ الدّم قرار دے سکتا ہے۔ اور اس کے بعد ہی کسی شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اسے قتل کردے۔ اگر اشتعال میں کوئی شاتم کو اذنِ حاکم کے بغیر بھی قتل کردے یا اس پر اقدام قتل کا ارتکاب کردے تو ایسا اقدام قابل مواخذہ نہ ہوگا اور حاکم کی طرف سے درگذر کردیا جائے گا۔ لیکن اس کا عمل قابلِ باز پرس اس لیے ہے کہ مسئلہ تابع قضا ہے۔

ایک اوراہم بات جو اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شاتم کی معذرت بھی قبول کی جاسکتی اور اس کے بعد اس سے درگذر بھی کیا جاسکتا ہے۔ گویا شاتم کی توبہ و معذرت قبول کرنا حاکم کے اختیار تمیزی پر منحصر ہے۔ اور توبہ کا دروازہ ایسے لعینوں پر بھی بند نہیں ہے۔ "العفو فوق العدل"

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت علیؓ کی اس حدیث :مَنْ سَبَّ نَبِیًّا قُتِلَ سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ: "وظاهره يدل على انه يقتل من غير استتابة وان القتل حدله"

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ سرکار عالمؐ کے بعد قاضی یا حاکم کو شاتم کی توبہ قبول کرنے کا اختیار تمیزی ہے یا نہیں؟ یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے۔ امام ابن تیمیہ کی رائے یہ ہے کہ توبہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ شاتم کو قتل کرنے کا ہر شخص مجاز نہیں ہے اس لیے کہ حد جاری کرنا امام یا اس کے نائب کا فریضہ ہے۔ لہٰذا شاتم کے قتل کا فتویٰ بھی ہو تو وہ تابع قضاء قاضی ہوگا۔ امام صاحب کا ایک اور قول ان الفاظ میں ہے: "الحد لا يثبت الا ببينة او اقرار" (الصارم المسلول علی شاتم الرسول)

شاتم النبی کے مسائل پر امام ابن تیمیہؒ کی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" بہت مشہور ہے۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس تالیف میں اکثر مستند احادیث کو نقل کر دیا ہے جو شاتم النبی سے متعلق ہیں۔ ہم انہی احادیث میں سے قارئین کی خدمت میں چند احادیث پیش کرتے ہیں تاکہ وہ خود ان سے صحیح نتائج اخذ کریں۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کعب بن اشرف نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچائی ہے۔ کون ہے جو اس سے نمٹے محمد بن مسلمہؓ نے یہ ذمہ داری قبول کی اور یہودیوں کے اس سردار پر قابو پاکر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔

اس واقعہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفسِ نفیس کعب بن اشرف کو مباح الدم قرار دیا تھا اور محمد بن مسلمہ کو اس کے قتل کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

اس واقعہ میں شاتم النبی کا قتل از ابتداء تا انتہا تابع حکم حاکم ہی رہا۔ ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ شاتم مرتد ہے، قابل گردن زدنی ہے لیکن اس کا قتل بھی اسی وقت جائز ہے جبکہ وہ حکمِ حاکم کی بناء پر مباح الدم قرار دے دیا گیا ہو۔

فتح مکہ کے دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" فرماکر عام

معافی کا اعلان کروا دیا مگر چار آدمیوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو آپ کی ہجو لکھا کرتے اور سب وشتم کی گستاخی کے مرتکب تھے۔ ان کو مباح الدم قرار دے کر اعلان کر دیا گیا کہ یہ چار مجرم جہاں بھی نظر آئیں قتل کر دئے جائیں خواہ وہ کعبہ کا پردہ ہی کیوں نہ تھامے ہوئے ہوں۔ چنانچہ عبداللہ بن خنظل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا تھا اور اسی حالت میں حضرت ابو برزہؓ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ دوسرا شاتم ابن حبابہ بازار میں سڑک پر مارا گیا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے اسلام قبول کر کے معافی مانگ لی اور بچ گئے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی سرح کی حضرت عثمان کی سفارش پر جان بخشی کی گئی۔

سعد بن ابی وقاص کی روایت سے ابن سعد بن ابی سرح کی جان بخشی کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے دن ابن ابی سرح حضرت عثمان کے گھر جا کر چھپ گیا۔ اپنی پناہ میں حضرت عثمان اس کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی عبداللہ سے بیعت لے لیجئے۔ آپ نے سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھا اور تین بار دیکھنے کے بعد آپ نے اس سے بیعت لے لی۔ پھر فرمایا کیا تم میں کوئی بھلا آدمی ایسا نہیں تھا جو اس کو اس اثنا میں قتل کر دیتا جبکہ میں نے اس سے بیعت لینے میں توقف کیا تھا۔ لوگوں نے کہا ہم کو آپ کے دل کا حال معلوم نہ تھا۔ آپ نے چشم مبارک سے اشارہ فرما دیا ہوتا تو ہم اس کا کام تمام کر دیتے۔ اس پر آپ نے فرمایا کسی نبی کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ اس طرح آنکھوں کی چوری سے اشارے کرے۔ آپ کے الفاظ یہ تھے: "لا ینبغی لنبیٍّ ان تکون لہ خائنۃ الاعین" (ابوداؤد کتاب الحدود۔ باب الحکم فی من ارتد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات واضح تھی کہ جب ابن ابی سرح کو مباح الدم قرار دے دیا گیا تھا تو اس کو قتل کیوں نہ کر دیا گیا۔

ان واقعات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور سب وشتم کرنے والوں کو خود آپ نے بحیثیت حاکم مملکت کے مباح الدم قرار دے دیا تھا لہٰذا یہاں کسی کے ازخود قتل کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

البتہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک کے بعض واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات نے شاتم کو ازخود مار ڈالا اور بعد میں حضورؐ کی خدمت میں آکر اپنا اعتراف و اعتذار پیش کیا جس پر حضورؐ نے ان سے مواخذہ فرمایا اور نہ دیت طلب کی۔

ایک نابینا صحابی سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ ان کے پاس ایک ام ولد تھی جو حضور اقدس کی شان میں گستاخانہ انداز میں سب وشتم کیا کرتی تھی۔ ایک دن ان نابینا صحابیؓ نے اس بدزبان عورت کے پیٹ پر کدال رکھ کر ایسا دبایا کہ وہ وہیں ختم ہوگئی۔ ازاں بعد وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس عورت کی بدکلامی اور سب وشتم کے واقعات سے آپ کو مطلع کیا اور ان اشتعال انگیز حالات میں ان سے قتل کی جو واردات سرزد ہوگئی تھی اس کا بھی ذکر کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے کوئی مواخذہ نہیں کیا۔

شعبیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودیہ حضرت کی شان میں گالی گلوچ بکا کرتی تھی۔ ایک دن ایک صحابی نے اس کا گلا دبوچ کر اس کا خاتمہ کر دیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خبر پیش کی گئی تو اس پر آپ نے کوئی نکیر کی اور نہ دیت دلوائی۔

انہی دو واقعات سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو رہی ہے کہ شاتم کی حد تک قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہر شخص اس امر کا مجاز ہے کہ جہاں بھی اور جب بھی ایسے لعین پر اس کو قابو حاصل ہو وہ اس کو بذات خود وہیں قتل کر سکتا ہے۔ وہ اس کو مسلمانوں کا قانونی حق گردانتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ اگر انھوں نے محولہ بالا ان دو احادیث کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہوتا تو یہ بات ان پر منکشف ہو جاتی کہ جب شاتم نبی کے ان پرجوش قاتلوں نے حضور کی عدالت میں اشتعال انگیز حالات میں اپنے ارتکاب قتل کا اعتراف کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات معلوم کر کے بحیثیت حاکم مملکت ان حضرات کو مواخذہ سے بری قرار دیا۔ اگر مرتد یا شاتم کا قتل تابع قضاء قاضی نہ ہوتا تو پھر ان قاتلوں کا اعتراف واعتذار اور ان کا بری المواخذہ قرار دیا جانا سب غیر ضروری باتیں ہو کر رہ جاتیں اور ریکارڈ سے خارج کر دی جاتیں۔ یہ ساری روئیداد اس امر کا ثبوت ہے کہ شاتم نبی بھی اس وقت تک مباح الدم نہیں ہے جب تک کہ حاکم اس کا اعلان نہ کر دے اور اس کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ قضاء قاضی کے ذریعہ ایسا حکم صادر نہ ہو جائے۔ اگر بلا اذن عام کسی سے ایسی حرکت سرزد ہو جائے تو وہ عدالت یا حاکم کے آگے جوابدہ ہے اور حاکم اس سے باز پرس کر سکتا ہے۔

اگر قضاء اور تعمیل کے اختیارات ہر ایک کے ہاتھ میں دے دئے جائیں تو خون ناحق اور فتنوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس بات کی صداقت کا اندازہ آپ کو اس روایت سے ہو جائے گا جس کو امام ابن تیمیہؒ نے اپنی تالیف الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں نقل

کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت یوں نقل کی گئی ہے کہ: "ایک شخص نے حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے بہت سخت توہین آمیز الفاظ استعمال کیے تو ان صاحب پر، جو صدیق اکبر کے ساتھ تھے، یہ گستاخانہ الفاظ بہت گراں گذرے۔ انھوں نے کہا کہ کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی کو منع کرتے ہوئے کہا کہ" ایسا نہ کرو۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے لیے روا نہیں"۔

اس روایت سے جہاں شاتم نبی کا قابل گردن زدنی ہونا ثابت ہو رہا ہے وہیں یہ خدشہ بھی سامنے آرہا ہے کہ احکامات کے نفاذ میں ہر فرد کو آزادی ہو تو اس کا قوی امکان ہے کہ شاتم صحابہ کو شاتم نبی کی سزا دے دی جائے۔ یہ تو بھلا ہوا کہ صدر مملکت خلیفہ وقت خود بنفس نفیس وہاں برسر موقع تھے اور انھوں نے قتل کے ایک امکانی حادثہ کو روک دیا۔

بعض احادیث ایسی ہیں جن کے الفاظ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرتدین کو قتل کرنے کی ہمیں اجازت دے دی گئی ہے۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

عن ابن عباس قال: من بدل دینہ فاقتلوہ (بخاری، مسلم)	جو شخص اپنا دین یعنی اسلام بدل دے اس کو قتل کر ڈالو۔
عن ابن عباس قال: من جحد اٰیۃ من القراٰن حل ضرب عنقہ (ابن ماجہ)	جو شخص قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے اس کی گردن ماردینا حلال ہے۔

ایسے معاملات جو ارتداد کا باعث بن جاتے ہیں موجب قتل ضرور ہوتے ہیں، لیکن حد جاری کرنا ہر کس وناکس کا کام نہیں صرف امام یا اس کا نائب اس کا مجاز ہے۔

حد شرعی کے نفاذ کا مسئلہ

قتل مرتد اور شاتم النبی کے قتل سے متعلق احکام کو ان کے اصل ماخذ سے اوپر تفصیل سے پیش کر دیا گیا۔ اب ہم انہی مسائل سے متعلق فقہ اسلامی کی مستند کتابوں میں جو احکام مندرج ہیں ان کو حوالوں کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کریں گے تاکہ صحیح نتائج آسانی کے ساتھ اخذ کیے جائیں۔ فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الحدود میں مرقوم ہے:

"شریعت میں حد ایسی عقوبت مقدّرہ (معینہ) ہے جو اللہ کے حق کے واسطے ہو پس قصاص کو حد نہ کہیں گے کہ وہ حق العبد ہے اور تعزیر کو حد نہ کہیں گے اس واسطے کہ وہ مقدر نہیں ہے۔

یہ ہدایہ میں ہے۔

حد کا رکن یہ ہے کہ امام المسلمین اس کو قائم کرے یا وہ جو اس معاملہ میں اس کا نائب ہو بلکہ امام المسلمین کی رائے پر ہو اور شرط یہ ہے کہ جس پر حد قائم کی جائے وہ صحیح العقل، سلیم البدن ہو اور ایسا ہو کہ عبرت پکڑے اور ڈرے۔ پس مجنون پر اور جو نشہ میں ہو یا ضعیف الخلقت یا مریض ہو، اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی الا بعد صحت اور افاقہ کے۔ یہ محیط سرخسی میں ہے (فتاویٰ ہندیہ۔ جلد دوم۔ کتاب الحدود صا۶۶ مطبع نامی منشی نولکشور لکھنؤ۔ مترجمہ مولانا سید امیر علی)

قال الشافعی واما من یقیم ھٰذا الحد ۔ فاتفقوا علی ان الامام یقیمہ۔ و کذٰلک الامر فی سائر الحدود الخ

امام شافعی فرماتے ہیں کہ باقی رہا یہ مسئلہ کہ حد کون قائم کرے گا تو اس سلسلہ میں اتفاق ہے کہ امام اسے نافذ کرے گا یہی معاملہ تمام حدود کا ہے۔ (بحوالہ: بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، قاضی ابن رشد القرطبی الاندلسی۔ الجزء الثانی ص۴۴۵)

حد کے سلسلہ میں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ زنا وغیرہ میں ثبوت وشہادت اور حلف نامہ امام یا قاضی کے پاس کیے جاتے ہیں اور امام یا اس کا نائب ہی حد قائم کرنے کا مجاز ہے۔ قدوری کا بھی حوالہ ہے (الہدایہ مع الدرایۃ تخریج احادیث الہدایہ۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ کتاب الحدود جلد دوم ص۴۸۶)[1]

حد جاری کرنے کے اختیار سے متعلق ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں:

"فاما القتل فی الردۃ والقطع فی السرقۃ فلا یملکھا الا الامام ۔۔۔۔ ان الاصل تفویض الحد الی الامام" (المغنی: ابن قدامہ، مطبوعہ المنار ۱۳۴۸ ص۱۴۷ جلد ۱۰)

ارتداد پر قتل، چوری میں قطع ید تو اس کا اختیار صرف امام کو حاصل ہے۔ اس لیے کہ یہ اصولی بات ہے کہ حد جاری کرنے کی ذمہ داری امام کی ہے۔

الشرح الکبیر میں بھی اس مخصوص اختیار سے یہی حکم ملتا ہے:

---

[1] اس مسئلہ سے متعلق مزید معلومات کے لیے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: تالیف امام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی مطبع ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۱۰ء صا۴۹ ، ص۴۶ ، ضد۵ ۔ ردّ المحتار علی الدر المختار۔ ابن عابدین شامی الجزء الثالث صفحات ۳۱۸، ۳۱۹

البحر الرائق شرح کنز الدقائق۔ ابن النجیم الجزء الخامس ص۱۲۴، ۱۲۵ ناشر سعید کمپنی۔ ادب منزل چوک۔ پاکستان

"ولا یجوز ان یقیم الحد الا الامام او نائبہ" (الشرح الکبیر۔۔۔ابن قدامہ المقدسی مطبوعہ المنار جلد ۱ صـ۱۲۱)

امام یا اس کے نائب کے علاوہ کسی کے لیے حد جاری کرنا جائز نہیں ہے۔

طحاوی کی عبارت ہے:

قال اصحابنا لا یقیم الا امراء الامصار وحکامها ولا یقیمها عامل السواد ونحوه" (طحاوی، اختلاف الفقہا، معہد البحوث الاسلامیہ، اسلام آباد جلد ۱ صـ۱۶۲)

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ حدود کو بڑے شہروں کے امراء اور حکام ہی قائم کرسکتے ہیں بیرونی علاقوں کے امراء وغیرہ قائم نہیں کرسکتے۔

بلند پایہ فقہاء مجتہدین کے محولہ بالا اقوال سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ حد جاری کرنے کا اختیار امیر مملکت یا سلطان ہی کو حاصل ہے جس کو وہ اپنے اختیار سے نائبین کے تفویض کرسکتا ہے۔ ہر کہ ومہ کو نہ مرتد کو قتل کرنے کا اختیار ہے نہ شاتم وساب نبی کو۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ آیا مرتد کی طرح شاتم نبی کو بھی قتل سے پہلے توبہ وتجدید ایمان کا اختیار دیا گیا ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء متقدمین ہی کے زمانہ سے اختلاف رائے چلا آرہا ہے۔

قاضی عیاض نے سبّ نبی پر مطلقاً قتل کیے جانے پر علماء کا اجماع بتلایا ہے۔ اس سلسلہ میں مالک بن انس، عبداللہ بن حکم، لیث بن سعد، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور امام شافعی رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے نام لیے ہیں۔[1]

---

[1] بحر الرائق میں ہے: "نقل ابن افلاطون فی کتب المسمی بہ معین الاحکام انہا ردۃ حیث قال معزیا الی حکمہ حکم المرتد وفی النتف من سبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ مرتد وحکمہ حکم المرتد فقولہ نعرض الاسلام علی المرتد ونکشف شبہتہ ویحبس ثلاثۃ ایام فان اسلم والا قتل۔ ولیفعل بہ مایفعل بالمرتد ظاہر فی قبول توبتہ کما یخفی وممن نقل انہا ردۃ عن ابی حنیفۃ القاضی عیاض فی کتابہ المسمی بالشفاء ونص عبارتہ قال ابوبکر بن المنذر رحمہ اللہ تعالیٰ اجمع عوام اہل العلم علی ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل وممن قال ذالک مالک ابن انس واللیث واحمد والشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم الخ (البحر الرائق۔ علامہ زین الدین ابن النجیم صـ۱۲۵ رد المحتار۔۔۔ ابن عابدین الشامی جلد ۳ صـ۳۱۸ -) نیل الاوطار میں بھی آئمہ شافعیہ کے اسی موقف =

اس مسئلہ کی تحقیق میں، سعی بلیغ کے باوجود، فقہ و حدیث کی مستند کتابوں میں ایک جزئیہ بھی اس صراحت کے ساتھ ہمیں دستیاب نہیں ہوا کہ جس سے یہ امر ثابت ہو کہ شاتم نبی کو قتل کر دینا ہر مسلمان پر فرض واجب یا مستحب ہے۔ ہر کتاب میں یہی صراحت ہے کہ یہ امر تابع قضا ہے اور یہ اختیار امیر یا سلطان میں مرکوز ہے۔ وہ یہ اختیار اپنے نائبین کو تفویض کر سکتا ہے۔

اس حکم پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ مرتد کی سزا قتل ضرور ہے لیکن قتل کرنے سے پہلے اس کو تین دن کی مہلت دی جاتی ہے جس میں اسلام پیش کرنے پر وہ توبہ کر کے اسلام قبول کر لے تو سزا سے بچ جائے گا۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مکتب خیال کے لوگ شاتم النبی کے معاملہ میں اس رخصت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جرم ثابت ہونے کے بعد مجرم کو موجب قتل قرار دے دیا جائے تو بلا تاخیر اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ بعض علماء انس بن زنیم خزاعی اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نظائر پیش کر کے قاضی کو اس اختیار تمیزی کا حامل سمجھتے ہیں کہ وہ اس کی توبہ و ندامت کے پیش نظر شاتم کی قتل کی سزا کو روک بھی سکتا ہے۔

مذکورہ بالا جرم کے مرتکبین کا ملزمین کی حیثیت میں عدالت میں پیش کیا جانا، شہادت و ثبوت کی بنا پر حاکم عدالت کا ملزم کو مجرم قرار دینا، جرم ثابت ہونے کے بعد توبہ و تسلیم کے لیے مہلت کا دیا جانا اور بالآخر سزا تجویز ہونے کے بعد قتل کے حکم کا صادر کیا جانا یہ سب قانونی و عدالتی کارروائیاں ہیں جن کو منظم طریقے سے قواعد و ضوابط کے موافق عدالتیں ہی چلا سکتی ہیں۔

عدلیہ اور قیام حدود کی مذکورہ بالا ساری بحثیں شریعت کے فریم ورک میں کی گئی ہیں اور اسلامی حکومت کا تصور اس میں بنیادی مفروضہ ہے۔ لیکن جس سرزمین پر ہم سانس لے رہے ہیں وہ ایک سیکولر جمہوریہ ہے جس میں اکثر قوانین اسلامی قوانین سے متصادم ہیں اور مسلم قومیت

کی صراحت ملتی ہے۔

"ونقل ابوبکر الفارسی احد ائمۃ الشافعیۃ فی کتاب الاجماع ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما ھو قذف صریح کفر باتفاق العلماء فلو تاب لم یسقط عنہ القتل لان حد قذفہ القتل وحد القذف لا یسقط بالتوبۃ"
(نیل الاوطار۔۔۔۔ علامہ محمد شوکانی صفحہ ۳۸)

کے مروجہ اسلامی قوانین کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وہ جرائم جو اس وقت ہمارا موضوع بحث ہیں وہ غیر مسلم ممالک میں قانوناً کوئی جرم ہی قرار نہیں پاتے اور اس بنا پر کیا دستوری و کیا قانونی کسی بھی اعتبار سے ان ممالک میں ان جرائم کے خلاف کوئی عدالتی چارہ جوئی کی ہی نہیں جاسکتی۔ رشدی لعین کے خلاف انگلستان میں مقیم مسلمانوں کی مسترد کردہ قانونی کارروائیاں اس کی زندہ نظیر ہیں۔ ایسے لوگ ہماری قانونی دسترس سے باہر ہیں۔ قرآن کا حکم بھی یہی ہے کہ ہم ان ممالک میں دست درازی نہ کریں۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَهُمۡ مِّیۡثَاقٌ الخ	البتہ وہ منافق اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جاملیں جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔

(نساء: ۹۰)

ایسے حالات میں اگر مسلمانوں کی دلآزاری ہورہی ہو تو بڑے صبر و تحمل سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہم کوئی ایسی حرکت نہیں کرسکتے جو بین الاقوامی قوانین یا معاہدات کے خلاف ہو۔ اسلامی قانون میں معاہدات کا احترام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ابوجندل کا دل خراش واقعہ احترام معاہدہ کی بہترین مثال پیش کرتا ہے۔

اس ساری بحث میں اتنا ہی جاننا ضروری ہے کہ حد منصوص ہے اور اس پر صحابہ اور ائمہ کا اجماع ہے اور یہ کہ حد قائم کرنا امام یا اس کے نائب کے فرائض و اختیار میں ہے۔ چونکہ یہ کام قاضی کے ذریعہ انجام پانا لازمی ہے اس لیے مرتد یا شاتم سے متعلق "فتاویٰ تابع قضاء قاضی" ہوں گے۔ بات بالکل منطقی اور واضح ہے۔ اس سے انحراف و اختلاف کی کوئی وجہ نہیں۔

قانون کی نظر میں ایسا قتل، جو جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت یا دین و مذہب کی مدافعت میں سرزد ہوجائے ناقابل مواخذہ قرار پاتا ہے۔ قانون داں حضرات اس نظیر کو پیش کرکے انفرادی طور پر شاتم نبی کو قتل کرنے کا جواز پیش کرتے ہیں۔ یہ نظائر تو ہم کو احادیث میں بھی ملتے ہیں۔ لیکن ان حضرات سے صحیح نتائج اخذ کرنے میں یہ سہو ہورہا ہے کہ وہ استثنا کی ذیلی دفعات کو قانون سمجھ بیٹھے ہیں اور اس خیال کی حمایت کررہے ہے کہ شاتم نبی کو مباح الدم قرار دے کر کوئی بھی قتل کرنے کا مجاز ہے۔

کوئی مرتد یا شاتم النبی اسی وقت مباح الدم قرار پائے گا جبکہ حاکم وقت نے اس کے مباح الدم ہونے کا اعلان کردیا ہو۔ اس امر کا انحصار بھی قضائے قاضی پر ہے۔ یہ

ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے کہ وہ کسی بھی مرتد یا شاتم کو مباح الدم قرار دے کر اسے قتل کر دے۔
بعض وقت ایسی صورتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں کہ کسی مرتد یا شاتم کے خلاف قتل کا فیصلہ صادر ہو چکا ہوتا ہے لیکن قبل اس کے کہ اسے مقتل لے جایا جائے وہ کسی تدبیر سے راہِ فرار اختیار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کہیں روپوش ہو بیٹھتا ہے۔ ایسے مجرمین کو جو عدالت کے حلقہ اثر اور عاملہ کی گرفت سے باہر نکل جائیں ان کے خلاف حاکم اس امر کا اظہار کر دیتا ہے کہ وہ سب کے لیے مباح الدم ہیں اور جس کسی کو بھی ان پر قابو حاصل ہو جائے وہ ان کو وہیں قتل کر دے سکتا ہے۔ ایک ہو یا ٹولی ہو ان سب کے لیے یہی حکم ہے اور باغی ٹولی ہو تو ایسے غارت گروں کے لیے تو حکم میں اور بھی شدت ہے اور ان کا قتل کیا جانا کار ثواب ہے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کی ایک جماعت سے متعلق فرمایا:

اینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجراً لمن قتلھم یوم القیامۃ (بخاری ومسلم)	ان مرتدین کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اس لیے کہ ان کے قتل کرنے میں ثواب ہے۔

یہ حدیث اس امر کا ثبوت ہے کہ حاکم مرتدین کی کسی جماعت کو، اگر مناسب وضروری سمجھے تو مباح الدم قرار دے سکتا ہے۔ اور اس امر کے اظہار واعلان کے بعد ہی مرتد وشاتم ہو یا مرتدین کی جماعت ہو، وہ مباح الدم قرار پا کر قابل گردن زدنی ہو جاتی ہے۔
شاتم النبی کے مسائل سے ابھرتے ہوئے ان اختلافات کو دیکھ کر دل بھر آتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی ہے کہ کاش مسلمانانِ ہند کا کوئی امیر یا امام ہوتا کہ دینی اور دنیوی معاملات میں ان کی صحیح خطوط پر رہبری ورہنمائی کر سکتا۔ اگر ہندوستان میں اس وقت امامت وامارت یا کم از کم فقہ اسلامی کا ہی کوئی مرکزی ادارہ ہوتا تو شریعت کے بنیادی اور مفتیٰ بہ مسائل میں یوں اختلافات رونما نہ ہوتے۔ اگر انہی مسائل سے کوئی مجتہد فیہ مسئلہ پیدا ہوتا تو فقہا کی مرکزی مجلس میں، عصری حالات وظروف کی مدد اور باہمی مشاورت کے ذریعہ اجتماعی اجتہاد کی طرح ڈالی جا سکتی ہے۔ ایسے مرکزی دینی اداروں کے فقدان کے باعث بیس کروڑ مسلمانانِ ہند کو صحیح معنیٰ میں "ملت اسلامیہ ہند" کا مضبوط وفعال موقف حاصل کرنے میں بڑی مایوسی ہو رہی ہے۔ آخر یہ قوم، بغیر کسی ملی نصب العین اور بلا کسی مرکزی قیادت کے بکھری ہوئی بھیڑوں کی

طرح کب تک پستیوں میں گزارتی رہے۔ ایک ملعون کے سب وشتم سے ملت اسلامیہ کا نقصان مایہ تو ہوہی گیا لیکن ہماری ملی کمزوریوں کے باعث شماتت ہمسایہ میں ہم کو برادرانِ وطن کے بعض بااثر قائدین کے ایسے دل خراش بیانات بھی مل رہے جو اس شاتم کی کھلی تائید میں ہیں۔ قرآن کو ممنوعہ کتاب قرار دینے کے لیے مقدمہ تو دائر ہی کیا گیا تھا اور اب جسارتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ "شیطانی کلمات" کی تائید میں پورے "قرآنی کلمات" ہی کو قابل اعتراض کہا جارہا ہے۔ ہم کو ایک سلمان رشدی نہیں بلکہ کئی شاتموں سے چوکنا رہنا اور ان کی سرکوبی کرنی ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جبکہ ملت حقیقی معنوں میں مضبوط رہے۔ مرکزیت شرط اولین ہے۔ اور عزیمت کے کام اسی طاقت وقوت پر منحصر ہیں۔

اگر مرکزی فقہی مجلس اپنے موقف میں مجمع الفقہ الاسلامی کی شرعی رائے کی ہم نوا ہوتی تو یہ مسائل ساری دنیا کے مسلمانوں کے اجماعی مسائل بن جاتے اور پھر کوئی اختلاف نہ کرسکتا۔ قرآن ہمیں سواد اعظم سے افتراق و اعتزال کی اجازت نہیں دیتا:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ
يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ
وَسَآءَتْ مَصِيرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)